قبیلے ایک سمت سے دوسری سمت میں ہجرت کرتے ہوئے، بے مقصد بے منزل۔ بادلوں کے قبیلے رینگتے رہتے، رک کر کھڑے ہو جاتے، پھر رینگنے لگتے، بادل جانے کدھر سے بھٹک بھٹک کر آئے، ٹوٹے پھوٹے بادل، بادلوں کی پھٹکیں، پھٹی ٹوٹی روپہلی بدلیاں، اکا دکا میلے گالے اور آہستہ آہستہ آپس میں پیوند ہونے لگتے اور سورج پہ ایک باریک نقاب پڑ جاتا اور دھوپ کھیتوں اور میدانوں میں جلدی جلدی چلتی ہوئی درختوں کو پھلانگ کر اوٹ میں جا چھپتی۔

"آج تو بادل آئے ہیں" کوئی راہ گیر چلتے چلتے کہتا۔

گندل آسمان کو دیکھتا، پھر روکھے لہجے میں کہتا "برسنے والے نہیں ہیں"

میلے اجلے بادلوں کے قبیلے بے گرجے برسے گزر جاتے اور آسمان پھر خالی خالی نظر آتا۔

"ٹیڑی بول رئی ہے، مینہ آئے گا" چیختی ہوئی ٹیڑھی کی آواز پر تائی اماں امید بھرے لہجے میں کہتیں۔

"تائی اماں" بنی پوچھنے لگتی "ٹیڑھی چیختی کیوں ہے؟"

"بیٹی پانی مانگے ہے، بادلوں کو پکارے ہے۔"

"تو بادل اسے پانی پلاوے ہیں؟" اچھے کا تخیل بہکنے لگتا۔

"ہاں بیٹا، ڈوبی بدنصیب ہے، بھے کو پانی نئیں پلایا۔ ایسی بددعا لگی کہ ٹیڑی بن گئی چونچ میں پانی کا قطرہ نئیں جاتا۔ دماغ میں چھید ہے، بوند پڑے ہے تو دماغ کے رستے حلق تر ہووے ہے، پھر پیاسی کی پیاسی۔"

ٹیڑی پانی مانگتی رہتی۔ بادلوں کو پکارتی رہتی۔ ٹیڑی کبھی ٹیک دوپہری میں ٹٹکارتی کبھی رات کے سناٹے میں پکارتی، بوند پانی کی بہر صورت نہیں پڑی۔ جلتی پھنکتی دوپہریاں گرد سے اٹ گئیں اور تارے کہ راتوں کو جگمگاتے تھے اب میلے میلے دکھائی دیتے۔ برسات

"برسات کے تھمنے، ساون کی جھڑی نہ بھادوں کی بھدبھدی، ساون کے بسنتی سندوری سندیسے کہ پچھلے برس ٹکسے دھڑی بکے تھے نہ بھادوں کی جامنیں، گیلی زمین سے اٹھتی ہوئی سوندھی باس نہ پیچ پیچ کرتے کرتے گھوروں سے آتی ہوئی بساند۔

روز صبح کہ کبھی بالکل مٹیالی ہوتی اور کبھی ہلکی میلی اُٹھنا اور بھونرٹ کی طرف نکل جانا، آگے آگے باوا پیچھے پیچھے وہ کھیتوں پہ قدم رکھا کہ گندل اچانک سے کبھی کسی درخت کے پیچھے سے، کبھی مینڈھ پہ چلتا ہوا آتا، قریب آکر آہستہ سے سر جھکا کر کھڑا ہو جاتا "سرکار کریلا جل گیا"، گندل اور ہیرا کنواں سارے سارے دن چلاتے، راتوں کو چلاتے، گجردم اٹھ کر چلاتے، ٹیڑی کی پکار اور ہیرا کی تان پھنکتی دوپہروں اور سناٹی راتوں میں سنائی دیتی، صبح کا گجر بجتا تب سنائی دیتی اور جب دھوپ ڈھل کر منڈیر منڈیر سرکنے لگتی تب سنائی دیتی۔ مگر زمین پیاسی رہی اور لوؤں اور آندھیوں کا زور قائم رہا۔ گندل روز کسی فصل کے جلنے کی خبر سنا دیتا۔

"سرکار،۔۔۔۔۔۔ مکی اُجڑ گئی۔۔۔۔۔ کل سُرخ آندھی آئی تھی۔"

باوا نے خاموشی سے عینک درست کی کھنکارے، آہستہ سے بولے "اچھا" اور کنوئیں کے پاس سے نکل کر کھیت کی مینڈھ پہ ہو لیے۔

"بی بی ہم نے دالان سے جہاں تک سکے دیکھا آسمان سُرخ، خون کی بوئی، منڈیریں اور دوالیں لال لہو۔"

بڑی آپا کہ دہشت کی کیفیت ان کی صورت اور لہجے دونوں سے ظاہر تھی بولیں "تائی اماں"، ہماری عمروں میں تو ایسی آندھی کبھی نہیں آئی۔"

"نابی بی، ہم نے نہیں دیکھی" تائی اماں بولیں "بڑی اماں ہاں سنایا کرتی تھیں کہ غدر سے پہلے ایک دفعے آئی تھی، ایسی سرخ کہ آسمان مانو خونم خون ہو گیا اور دوالیں اور منڈیریں اور مٹیں جیسے کسی نے سرخ پڑیا مل دی ہو۔"

"بہنوں ہم تو یہ جانیں ہیں۔" بڑی آپا کے لہجے سے دہشت کی کیفیت مٹ گئی تھی

اور دکھ کا زنگ پیدا ہو چلا تھا۔ جب سے اس نحت ماری کوٹھی کی نیم کھدی ہے روز ایک آفت ٹوٹتی ہے۔"، تائی اماں نے فوراً تائید کی "یہ تو سچ کہو ہے چھموں۔ ابا میاں کے سامنے جب شبیر حسن نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا تو انہوں نے صاف منع کر دیا تھا کہ، ہم اس زمین کو ہاتھ نہیں لگائیں گے، اس پر اثر ہے آباد نہیں ہو سکتی۔"

"تائی اماں آپ ہیں بڑی تنکی۔" امی بولیں "بھی یہ تو وقت کی بات ہے۔ کام بنتے بھی ہیں بگڑتے بھی ہیں۔ سنور جائے تو کہہ دو نصیب در ہے، بگڑ جائے تو اثر بتا دو۔"

تائی اماں نے فوراً جواب دیا "بہو تو تو ہماری کسی بات کو مانتی ہی نہیں، نہ بترا حصم مانے اچھا بی بی ہم ہی بے وقوف ہیں۔" تائی اماں چپ ہو گئیں۔

بڑی آپا کا ذہن بھٹک کر کسی اور طرف جا نکلا، سوچ بھرے لہجے میں بولیں: "ابا میاں اور ان کے ساتھ کوئی اور...... ایک خیال کہ میر بو علی ہیں۔ ابا میاں اور بڑے ابا پریشان سے ہیں...... پھر جیسے میر بو علی چلائے ہوں...... حویلی کی ڈاٹ پھٹ گئی۔ ...... بس میری آنکھ کھل گئی......"

تائی اماں ہل سی گئیں، کچھ دیر تک گم سم خلا میں تکتی رہیں، پھر پہلو بدلتے ہوئے ٹھنڈا سانس لیا، بولیں "بعضا خواب تو سچ مچ عین مین سچ ہو جاوے ہے۔"

تائی اماں خاموش ہو گئی تھیں، لیکن جب کوئی اور نہ بولا "اور امی اور بڑی آپا گم متھان بنی بیٹھی رہیں تو پھر بول پڑیں، مگر اب کے ان کے لہجے میں تلخی بھی تھی۔ "اب ادھیں کو بھٹیں بناتے رہو، حویلی تو پنگ لگ گئی۔"

بڑی آپا نے جواب میں ٹھنڈا سانس بھرا، بولیں "ہاں بہنوں"، اور چپ ہو گئیں۔

کوٹھی کی تعمیر شروع ہو چکی تھی۔ تھانے کچہری کا قصہ ختم تھا، ابا میاں کے رقعے پرچے احتیاط سے باندھ کر پھر کتابوں کے بھرے لکڑی کے صندوق میں ڈال دیے گئے۔ اب باوا کا سارا سارا دن بھونرے پر گزرتا۔ امی نے اسے بھی اس الجھیڑے میں

پھنسا دیا۔" اجی تم اکیلے کہاں تک سارے کام کی دیکھ بھال کرو گے۔ اپنی عمر کو دیکھو۔ ذرا گرے تو کٹیا سے ایسے لگو گے کہ اٹھا نہ جائے گا۔ ضمیر گھر میں بیٹھا کیا کرتا ہے کیوں اس سے نہیں کہتے کہ کام کی دیکھ بھال کرے۔" گھر میں وہ بیٹھتا بھی تو کیا فرق پڑتا۔ دوپہری بھر دالان بھائیں بھائیں کرتا اور آنگن تپتا رہتا اور نیم کی ٹہنیاں کبھی تھکے تھکے ہلکورے لیتیں اور کبھی سر نیوڑھا کر چپ ہو جاتیں۔ تحسینہ بھی گھر ہی میں کبھی دالان میں کبھی آنگن میں کبھی کیاری پہ، دور سے جھلک نظر آئی اور آن کی آن میں اوجھل۔ امی تھیں کہ ہر وقت اسے نظروں میں رکھتیں۔ اٹھتے بیٹھتے اسے احساس رہتا کہ امی کی نظریں ساتھ ہیں اور محاصرہ کر رہی ہیں۔ گھر سے خفقان ہونے لگا، مگر باہر بھی سکون تو نہیں ملا۔ سیمنٹ کی جا بجا ڈھیریاں روڑیوں کے سرخ سرخ ڈھیر بھیگا گارا جہاں سے راج بھر بھر پرانتیں سر پر رکھ ادھ بنی دیواروں کی طرف جاتے۔ سیڑھی چڑھ مچانوں پہ پہنچتے اور پرانتیں خالی کر کے پلٹ آتے اور وہ سرخ اینٹوں سے لدے گدھے کہ ان کے لد پھند کے چلنے کا تانتا دن بھر بندھا رہتا لگتا کہ بستی نہیں شہر تعمیر ہو رہا ہے۔ گدھوں کے آتے جاتے قافلے، روڑیاں کٹنے اور آریوں اور آروں کے چلنے کا ترنم، راج مزدور، اٹھتی اور بچھی ہوتی دیواریں، یہ چہل پہل اس کے تئیں ایک بہنگم شور تھا، ایک بے سمت سرگرمی۔

"ضمیر میاں، سر دلیں کیسے نہیں؟"

"کیوں؟"

بوڑھے بڑھئی نے عینک درست کی، بولا: "کل جو لکڑی آئی تھی، غائب ہے۔"

"لکڑی غائب؟"

لکڑی کس نے غائب کی، ایک ایک سے پوچھا گیا، ڈانٹا گیا۔ راج مزدور کام چھوڑ چھوڑ گرد اس کے جمع ہوئے اور لگے ایک دوسرے کو تہمت دینے۔ پھر ہاؤ آئے شند کرتے۔ مزدور ایک دم سے چپ ہو گئے۔ انہوں نے سیدھے سیدھے سوال کیے۔ ایک راج نے

اُکھڑے اُکھڑے جواب دیے۔شک پڑا، نکال دیا۔

سریوں، اور چوکھٹوں کی لکڑی غائب ہوئی۔پھر اینٹوں پہ گمان گزرا کہ کم ہیں۔پھر سیمنٹ کی چند بوریاں گم ہوئیں جس کسی پہ شک پڑا، نکال باہر کیا۔چوری کا سلسلہ جاری رہا اور راجوں کو نکالنے کا سلسلہ لمبا ہوتا گیا۔لیکن راج مزدور دہی تھے، ایک تھیلی کے چٹے بٹے۔نکالے ہوئے راج پھر کام پر آنے لگے۔پھر نکالے گئے پھر کام پر لگے اور برائی کا ایک چکر قائم ہوگیا۔

"کام اب تک شروع نہیں ہوا؟ کہاں ہیں راج؟"

"ضمیر میاں، خزانہ؟" ایک راج نے پراسرار سے لہجے میں دبی زبان سے کہا۔

"کیسا خزانہ؟"

اجی برآمدے کی نیم کھودتے کھودتے چھناکا ہوا۔سب کھود رہے ہیں اسے۔۔۔۔ خزانہ نکلے گا۔

راج سارے کے سارے دن بھر کھدی ہوئی نیم کو کھودتے رہے، گھرا کرتے رہے۔جنہوں نے کھدائی میں حصہ نہیں لیا وہ امید و بیم میں بٹے وہاں بیٹھے رہے اور ہر حضر۔۔ یہ حیرانی کا مظاہرہ ہوتا رہا۔شام کو کھلا کہ کانسی کا دیگچا ہے، کوئلے اس میں بھرے ہیں۔

"اشرفیں کوئلے بن گئیں" تائی اماں افسوس بھرے لہجے میں بولیں "اجی قسمت کی بات ہے اور بی بی نیت کا بھی معاملہ ہودے ہے۔میں تو جانوں کسی راج کم بخت کی نیت میں فرق تھا۔"

راجوں کی نیت کا فرق قائم رہا اور تعمیر کے ساتھ خرابی کی صورت چلتی رہی۔

راجوں کے بھنگم شور سے دل الٹنے لگتا اور داں سے ہٹ کر کنوئیں کے پاس بڑکے پیڑ کے نیچے آجاتا۔گنڈل کی پکار "ہیرا، ادے ہیرا۔۔۔۔ ہیرا ہوت"

"ہیمیے۔"

"اوئے چھوٹے میاں آلوں ہیں، کھاٹ ڈال دے"

"آیا"

ہیرا مینڈھ مینڈھ ہوتا لپک جھپک آتا۔ چارپائی بچھ جاتی۔ برٹ کے گھنے سائے میں لیٹ کر اُسے کتنا سکون ملتا۔ گندل راکھ میں دبا ہوا اُپلا کریدتا، چمٹے سے توڑ کر چلم بھرتا اور پائنتی کے سہارے بیٹھ چلم پینے لگتا۔

"ضمیر میاں"، ہیرا بولا۔

"ہوں۔"

"یو کوٹھی کب تک بنو گی؟"

"بن رہی ہے۔ بن ہی جائے گی۔"

"توا کے بعد سگرے حویلی والے یاں پہ آجاویں گے؟"

"اور کیا؟"

"اور حویلی خالی ہو جاوے گی؟"

"خالی؟ ہاں"

گندل نے چلم پیتے پیتے آنکھیں کہ بند ہو چلی تھیں کھولیں، کھنکارا، چلم ہیرا کی طرف بڑھا دی۔ آنکھیں پھر مندنے لگیں۔ گنگنانے لگا:

رات گنوائی سوئے کے دوس گنوا یو کھائے

ہیرا جنم امول تھو کوڑی بدلو جائے

اس کی آنکھیں بھی بند ہونے لگی تھیں اور میٹھی میٹھی غنودگی آنکھوں میں آنکھوں کے راستے پورے بدن میں اترنے لگی تھی کہ منشی جی کی آواز نے چونکا دیا۔

"ضمیر میاں"، منشی جی کی آواز گھبرائی ہوئی تھی۔

اس نے آنکھیں کھول دیں "کیوں؟"

"کوئیا سوکھ گئی۔"

"کوئیا سوکھ گئی؟" وہ حیران رہ گیا۔

"جی" منشی جی بولے "کوئیا سوکھ گئی۔ اب پانی کہاں سے آوے۔ کام رکا پڑا ہے۔"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے کوئیا کے پاس گیا کہ جہاں محنتی سارے کام چھوڑ چھوڑ کر جمع تھے، کچھ کوئیا کو جھانک جھانک کر دیکھتے تھے، کچھ نے ٹولیاں بنائی تھیں اور درخت کے سائے میں بیٹھے حقے پیتے تھے، اینڈتے تھے، پھر گھر کی طرف ہولیا۔

بڑے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گیا تو باوا کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں اور بڑی آپا بے ساختہ بولیں "اے ہٹے ایسی دھوپ میں مارا مارا پھرے ہے۔ دیکھو تو سہی منہ سرخ ہو رہا ہے۔"

باوا بڑی آپا کی بات کو نظر انداز کر کے اسے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہے "کیوں؟"

"کام رک گیا" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں؟" باوا نے پھر اسی نیم استعجابیہ لہجے میں سوال کیا۔

"کوئیا سوکھ گئی"

"کیسے؟" بڑی آپا چونک پڑیں۔

بڑی آپا کا سوال بے جواب رہا۔ وہ بولنا چاہتا تھا لیکن باوا کے تیور دیکھ کر چپ ہو گیا۔ باوا خاموشی سے اُٹھے، کپڑے درست کئے، جوتا پہنا، باہر ہو لئے۔

باوا کے باہر جانے پر سکتہ ٹوٹا۔ تائی اماں نے پھر پوچھا "اے ضمیر کوئیا سچ مچ سوکھ گئی کیا؟"

"جی تائی اماں۔"

"کیسے سوکھ گئی؟" بڑی آپا نے سوال کیا۔

"گرمی سے۔"

"گرمی سے؟" تائی اماں کے لہجے میں طنز کا رنگ تھا "گرمی سے کہیں کنوئیں سوکھا کریں ہیں۔ آخر رہٹ کا کنواں بھی تو ہے، دن رات چلے ہے ڈوبا، وہ کیوں نہ سوکھا؟"

"تائی اماں" وہ کہنے لگا "یہ کوئیا تو تھوڑے دنوں کے لئے کھدوالی تھی۔ کچی تھی اتھلی تھی دھوپ سخت پڑی، سوکھ گئی۔"

وہ بڑبڑائیں "ہاں اب جو جی چاہے کہہ لو۔" اور چپ ہوگئیں۔

بڑی آپا چپ تھیں۔ امی بھی۔

پھر امی نے جبا ہی لی، بولیں "ڈوبی کو بھی تو ایسی کھٹائی میں پڑی ہے کہ بن ہی نہیں چکتی روز کھنڈت پڑے ہے۔"

بڑی آپا اسی طرح چپ تھیں۔ تائی اماں چپ تھیں۔ تائی اماں چپ رہیں، پھر بڑی آپا سے مخاطب ہوئیں "چھموں تجھے یاد ہے جب پیر جی والوں کا گھر بن رہا تھا؟"

"ہاں" بڑی آپا نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا اور پھر خیال میں ڈوب گئیں۔

"بڑی دھوم سے خریدی تھی زمین" تائی اماں شروع ہوگئیں "وہ ٹھنیں کہ اللہ کی پناہ جیسے نرالا انہیں کا گھر بن رہا ہے۔ نیم کھدی۔ اسی دن کوئیا کھدی۔ پیر جی نے بھر بھر دونے نکتیں بانٹیں۔ برادری کا ایک ایک بچہ گیا، نکتیں کھائیں، بھر بھر گلاس پانی کوئیا کا پیا۔ پانی ڈوبا ایسا ٹھنڈا اور میٹھا کہ کیا بتاؤں۔" چپ ہوئیں پھر شروع "بی بی۔۔۔ تیسرے دن صبح کو جو سقہ ڈول ڈالے ہے تو ڈول کھٹ سے زمین میں جا کے لگا۔ کوئیا سوکھی۔"

بڑی آپا تائی اماں کا منہ تکنے لگیں۔

امی ٹھہر کر بولیں "اجی تائی اماں نیت کا بھی تو پھل ملے ہے۔ یہ ڈوبے پیر جی والے ہیں بھی تو اوچھے۔"

"یہ تو سچ ہے بہو" تائی اماں بولیں "مگر بعضی بعضی زمین بھی ایسی ہووے ہے کہ آباد

نہیں ہوتی۔ اب یہ دیکھ لو کہ پیرجی نے لاکھ کوشش کی، دوسرا کنواں بھی کھدوایا، مگر ایسی کھنڈت پڑی کہ ڈھویا مکان ہی نہ بنا۔ انہیں دنوں بڑا پوت جوان جہان، یہ چوڑی چھاتی، یہ ڈیل، گھڑیوں میں چٹ پٹ ہوگیا۔ . . . . . اسی برس اس کی آنکھ بند ہوگئی۔"

بڑی آپا چپ۔

امی سوچ میں پڑ گئیں، پھر بجھی بجھی آواز میں بولیں "خیر تائی اماں یہ تو رہنے دو۔ مکان تو وہ بنا ہی۔ اور بھئی ایسا اچھا مکان بنا ہے کہ شہر میں تو اس کا ثانی ہے نہیں۔"

"اے کیا بنا"، تائی اماں نے بیزاری سے کہا "یہ کوئی بننے میں بننا ہوا۔ گھر اُجڑ گیا تو ڈوبا گھر بنا۔ بڑا بیٹا گیا، باپ گیا۔ چھوٹے نے کچا پکا بنوا لیا۔ اب تم کہہ دو کہ شہر میں اس کا ثانی نہیں بھلا کیا اس میں سرخاب کے پر لگے ہیں۔ پیرجی نے جو نقشہ بنوایا تھا اس کا تو یہ ادھیائی بھی نہیں۔"

امی لاجواب ہوگئیں۔ بڑی آپا چپ بیٹھی رہیں، پھر انہیں خیال آیا کہ نماز کا وقت ہوتا ہے۔

گارا کہ دن بھر دھوپ میں تپتا تھا گاڑھا ہوا، پھر اس پہ پپڑیاں جمنے لگیں، پھر سوکھ کر تڑخنے لگا۔ ابجنہاریاں کہ دن بھر منڈلاتی تھیں اور گیلا سونا سمیٹتی تھیں، ہجرت کر گئیں۔ باوا نے کنوئیں کا خیال چھوڑا اور نل کا بندوبست شروع کیا۔ تعمیر کا کام بند، نل ڈالنے کا کام شروع تھا۔ پہلے گارے کے سوکھے ڈلے بن گئے۔ ادھ بنی دیواریں کہ دور سے گیلی اور بھیگی دکھائی دیتی تھیں۔ ان کی نرمی غائب ہونے لگی۔ راج کو دن بھر اینٹیں جماتے تھے اور دیواریں چنتے تھے دیواروں کو ادھ بنا چھوڑ کر چلے گئے تھے: اور ادھ بنی دیواروں پر سکوت طاری تھا۔ سوکھی کوٹیا کے پاس مزدور دن بھر کام کرتے، جہاں پہلے لمبی لمبی چھڑیں نصب نظر آئیں اور ان میں بندھی ہوئی لمبی رسی۔ پھر وہ چھڑیں غائب ہوئیں اور پستہ قد نل نصب ہوا۔ نل چلا، نل کے ساتھ گارا گیلا ہوا اور خشک ادھ بنی

دیواروں میں نمی کی روپھر سے دوڑی اور انجنہاریاں کہ گارے کو سوکھا دیکھ کر ٹل گئی تھیں اور کبھی نل کے پاس کی پیلی پاکیزہ کیچڑ پر منڈلاتیں اور کبھی گارے سے رس کھینچتی دکھائی دیں۔

نل دن بھر شور کرتا اور دن بھر دیواروں پہ کھٹ کھٹ ہوتی رہتی، اور دن بھر وہ کبھی تازہ تازہ بنی ہوئی دیواروں اور سندھی خوشبو والے کمروں میں جہاں بلبہ اسی طرح پڑا تھا گھومتا، کبھی اس کھڑاگ سے بیزار ہو تھک تھکا کر برگد کے درخت کے نیچے آجاتا اور پھر اینٹوں اور روڑیوں اور نل کے شور سے دور چھاؤں اور سکون اور گندل کی چلم سے نکلتی ہوئی عنود آمیز گڑگڑ اور بند ہوتی ہوئی آنکھیں۔

رات گنوائی سوئے کے دوس گنوایو کھائے

ہیرا جنم امول تھو کوڑی بدلو جائے

ہیرا اپنے پھٹے ہوئے پیروں کو دیکھتا۔ انگلیوں اور ہتھیلیوں کو دیکھتا کہ چرس کی رسی کی رگڑ سے سُرخ ہو گئی تھیں، چھل گئی تھیں اور کہنے لگتا "گندل، کہا اچھا ہے ایشور کی، اب کے ورشا ہو گی؟"

گندل کھانستا اور چلم پینے لگتا۔

ہیرا چپ بیٹھا رہتا اور پھر آپ ہی آپ بڑبڑانے لگتا "اچھا ساون بھیو، ایک بار بھی آلھا نہیں پڑھی"

بنی اور اچھے حویلی سے آنکھ بچا کر نکلتے اور دوپہری بھر بھونڑ میں منڈلاتے رہتے اچانک کسی سمت سے نمودار ہوتے اور دور سے آواز لگاتے "ضمیر بھائی، دیکھو، ہمارے پاس بڑیا۔"

"بڑیا بڑیا اللہ میاں سے میرا سلام کہیو"

"اور میرا بھی" اچھے ٹکڑا لگاتا۔

"بڑیا بڑیا اللہ میاں سے میرا سلام کہیو اور اچھے کا بھی۔" اور بڑیا بنی کی ننھی منی

پنکی سے نکل کر فضا میں تیرنے لگتی۔

"انہیں ڈانٹنے لگتا" کہاں پھر رہے ہو دھوپ میں...... ادھر آؤ۔"

دونوں کے دونوں رک جاتے۔ ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھتے اور پھر الٹے بھاگ پڑتے "ضمیر بھائی ہم گھر جا رہے ہیں۔"

بنی اور اچھے نظروں سے اوجھل ہو جاتے اور وہ اپنے کام سے لگ جاتا۔ پھر وہ برگد کے نیچے چارپائی پر آ بیٹھتا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگتیں کہ وہ پھر آن وارد ہوتے، مگر اس مرتبہ ڈرے ہوئے۔ آنکھوں میں دہشت۔

"ضمیر بھائی کر کینٹا۔"

"وہ دن" اچھے اشارے سے بتاتا۔ وہ کھنڈال کے پیڑ پہ۔ سرخ ہو گیا ہمیں دیکھ کے۔"

"تو گھر نہیں گئے تم؟" وہ انہیں گھور کے دیکھتا اور دونوں کے دونوں اپنی جگہ پر جمے رہ جاتے۔

پھر وہ انہیں گھیر گھار کے گھر لے کے چلتا۔ کبھی منڈھ پہ، کبھی بیکھ میں، ڈگر ڈگر، پھر پکی سڑک، سڑک سے گلیوں میں، ٹھٹیروں کی گلی، پھر بزریا، پھر پیاؤ کی گلی، پھر لال مندر، پھر گھر آ جاتا۔ تپتا آنگن، سنسان دالان کہ کسی کسی گوشے میں کڑلوں کے قریب اکا دکا بر بھنبھنا رہی ہوتی۔ دل کہ اندر قدم رکھتے ہوئے ذرا ذرا دھڑکتا پھر ڈوبنے لگتا اور وہ پھر الٹے پاؤں بھونرا کو ہو لیتا۔

(۶)

کوٹھی کی تعمیر جاری تھی: رکی، رک کر شروع ہوئی، شروع ہو کر رکی، رک رک کر جاری رہی۔ بابا کا اندازہ اک ذرا غلط ہو گیا تھا، مدت اور لاگت دونوں کے بارے

ہیں۔ اگنے سے دُگنا خرچا جا چکا تھا اور تعمیر تھی کہ ابھی تک ختم ہونے میں نہیں آئی تھی۔ تعطیلات اس کی ختم ہو رہی تھیں۔ تعلیم کا اس کا سلسلہ جاری رہے گا کہ ختم ہوا چاہتا ہے۔ اس کے دل میں تشکک پیدا ہو چلا تھا۔ امی کی باتیں بھی معنی خیز تھیں اور باوا کی خاموشی بھی۔ امی نے مختلف موقعوں پر مختلف لہجوں میں بات کی لیکن مرکزی نکتہ ایک ہی تھا۔ تائی اماں سے کہہ رہی ہیں "اجی تائی اماں، پڑھائی تو بی اے پہ ختم ہو جاوے ہے۔ ہوئے ایم اے کی تو بس ٹیم ٹام ہے میں تو ان سے یہ کہہ رہی ہوں کہ بس کرو۔ بی اے کر ہی لیا ہے نوکری جیسی قسمت میں ہے مل جاوے گی۔ نخت مارے ایم اے سے کیا سرخاب کا پر لگ جاوے گا،، اسے سمجھانے لگتیں "بھیا اس پڑھائی کو طاق میں رکھو اور کچھ کرو۔ باپ کی پنشن ہو گئی ضعیفی کا وقت ہے۔ اسی وقت کے لئے تو اولاد مانگیں ہیں کہ پیری کا سہارا بنے۔ وہ کمائے ہم کھائیں مگر تمہاری پڑھائی ہی ختم نہیں ہوتی۔ بچے تو ہو نہیں کہ تمہیں ہر بات سمجھائی جاوے۔ خود بھی غور کرو حالت کو دیکھو۔ مقدمے میں اتنی رقم کھلیان ہوئی اور حویلی ہار کے بیٹھ رہے۔ نگوڑی کوٹھی پیسے لئے جا رہی ہے اور پوری نہیں ہو چکتی آمدنی ہر طرف بند ہے، خالی پنشن ہے۔ پڑھائی کا بوجھ کیسے اٹھاویں گے۔،، امی کہتیں رہیں وہ سنتا رہا، باوا خاموش رہے، پھر بولے، مگر نہ مشورہ نہ دلیل نہ نصیحت، دو ٹوک بات "پڑھائی بند کرو، نوکری کا بندوبست کرو۔،،

باوا کی رائے تھی کہ وہ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائے، کالج سے سرٹیفکیٹ لے، ان کی چٹھیاں لے کر مختلف افسروں کے پاس کہ کچھ کے وہ ممنون احسان تھے اور کچھ پر ان کے احسانات تھے جائے اور نوکری کا معاملہ کرے۔ مگر امی کو یکایک خیال آیا کہ حویلی سے کوٹھی میں منتقل ہونا ہے، یہ کام اکیلے آدمی کے بس کا کیونکر ہے۔ بات باوا کی سمجھ میں آ گئی۔ روانگی اس کی دو دن کے لئے ملتوی ہوئی اور مکان کی منتقلی وقت سے پہلے شروع ہو گئی۔

رات دیر تک وہ جاگتا رہا۔ تائی اماں عشا کی نماز سے فارغ ہو، بیچ آنگن میں پڑے ہوئے کھرے چھپر کھٹ پہ آ لیٹتیں اور اچھے اور بنی کے پے در پے مطالبوں پر خاک بسر آوارہ وطن شہزادوں اور نامراد شہزادیوں کے قصے سنانے لگیں۔ کہانی کسی منزل پہ نہ پہنچی تھی کہ بنی سو گئی پھر اچھے کی آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔ تائی اماں کہانی کہتیں رہیں اور جب سننے والوں نے خراٹے لینے شروع کر دیے تو پھر ان پہ بھی غنودگی طاری ہونے لگی۔ باوا کہ رات کو فراغت اور اطمینان سے تہمد اور ململ کے کرتے میں مونڈھے پہ بیٹھے گھنٹوں خاموش حقہ پیتے رہتے تھے اور اسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کس وقت چارپائی پہ لیٹے ہیں آج اُس کے سامنے اُٹھے، حقہ الگ رکھا اور چارپائی پر لیٹ گئے۔ تحسینہ نے آہستہ سے اُٹھ کر لالٹین مندی کی اور اسی آہستگی سے پھر اپنی چارپائی پر جا لیٹی۔ رات بھیگ چلی تھی تارے گردمیں اٹی میلی کوڑیاں ہٹک اجل۔ گئے تھے۔ آخر بڑی آپا بھی کہ عشاء کے وقت سے لے کر اب تک نماز کی چوکی پہ ایک پہلو بیٹھی تسبیح کو گردش دیئے جاتی تھیں چوکی سے اُٹھیں۔ لالٹین کی لو مندی ہوتے ہوتے بجھنے لگی تھی کہ انہوں نے بڑھ کر بتی تیز کی، مگر فوراً ہی وہ پھر مندی ہونے لگی۔ لالٹین اسٹول سے اٹھا کر کان کے قریب لا اُسے ہلایا، تحسینہ کو آواز دینے لگیں "تحسینہ"

"جی"

"بی بی تیل نہیں تھا لالٹین میں؟"

"ڈالا تو تھا" وہ رک کر آہستہ سے بولی "مگر بوتل میں تیل ہی نہیں تھا، ذرا سا تھا۔"

بڑی آپا نے لالٹین کو سٹول پہ رکھا، بڑبڑانے لگیں "لالٹین تو جا رہی ہے اب رات بھر اندھیرے میں پڑے رہو۔"

رات بھیگ کر خنک ہوئی، رات کہ بتی کی روشنی کے داغ دھبوں سے پاک تھی۔ بے میل، بے داغ اندھیری رات۔ تائی اماں کے خراٹے، اب شاید بڑی آپا بھی سو گئی

نھیں، اس کی آنکھیں بھی نیند سے بوجھل ہو بند ہونے لگیں۔

آنکھ کھلی تو پھر وہی روزمرہ کی فضا، بڑی آپا نماز کی چوکی پہ بیٹھیں ہوئیں، وہی پُرسوز رقت بھری آواز

مولا علی ، وکیل علی ، بادشاہ علی

اُس کی آنکھیں پھر بند ہونے لگیں، اسے لگا کہ نیند کی اقلیم سے گُبکا کی آواز آ رہی ہے۔

شیوہ اگرچہ اپنا نہ یہ وعظ و پند ہے
پر اس کو سن رکھ اسے کہ تو کچھ دردمند ہے
کیا ہے جو عرصہ تنگ، ہوا کام بند ہے
دل جمع کر کہ ہمت مولا بلند ہے
یعنی کرم شعار ہے مشکل کشا علی

مولا علی ، وکیل علی ، بادشاہ علی

امی نے اسے جھنجوڑا، "ضمیر اٹھو، کام کے دن تو سویرے اٹھ جایا کرو، روز وہی بارہ بجے تک سنانا، ڈوبی نیند نہ ہوئی افیم ہوئی"، وہ لیٹے سے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ آنکھ کھول کے دیکھا تو صحن کی شکل ہی بدلی ہوئی تھی۔ نیا پرانا دنیا بھر کا کاٹ کباڑ کہ کمرے دالان، کوٹھڑیوں میں بند تھا۔ اب صحن میں اُس کا انبار لگا تھا۔

بڑے ابا کی بیٹھک بھی کھلی۔ سرخ اور سرمئی چلمیں کہ بعض پہ سنہری بعض پہ روپہلی باریک جالی کھدی تھی۔ اسی پرانے قرینے سے چنی رکھی تھیں۔ ان پہ گرد کی تہ کچھ زیادہ دبیز ہو گئی تھی۔ پیتل کا چمکتا اگالدان، کونے میں رکھی ہوئی لام کی شکل کی چھڑی، لمبا چوڑا تخت، تخت پہ اجلی چاندنی اور قالین اور گاؤ تکیہ تخت کے برابر کونے میں رکھا ہوا ٹھنڈا حقہ اور ڈاٹ والی چھت کے کنڈوں میں لٹکا ہوا بھاری جھالر والا پنکھا کہ ساکت اور ساکن تھا، پر لگتا تھا کہ ابا میاں ابھی آئیں گے۔ گاؤ تکیے سے کمر لگا کے بیٹھیں گے۔

اور جھالر والا پنکھا حرکت میں آئے گا اور اس کی بھاری جھالر سے نکلتی ہوئی ہوا بیٹھک کے دسنے کونے میں پہنچے گی۔

"تائی اماں"، بڑی آپا اُداس لہجے میں تائی اماں سے مخاطب ہوئیں" ایسا لگے ہے کہ ابا میاں ابھی اُٹھ کے ذرا مسجد تک گئے ہیں۔" بڑی آپا چپ ہو گئیں، ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ پھر ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ پھر وہ آہستہ سے باہر نکل گئیں۔

زنگ لگے برتن اور دیمک چاٹے کاغذ کہ جانے کن برسوں سے انہیں ہوا اور دھوپ نہیں لگی تھی، پرانی کپڑا لگی پوشاکیں کہ چٹکی مارے سے تار تار ہونے لگتیں، بزرگوں کی نشانیاں اور یادگاریں کہ پشتوں سے صندوقوں میں بند تھیں اور خود رکھوالی اور وارث دیدار سے ان کے محروم تھے، اب یہ سب کی سب دولت اندھیرے کمروں اور تہ خانوں اور مقفل صندوقوں سے نکل کر صحن میں آگئی تھی۔

"اے بڑی آپا تمہیں کیا ہو گیا ہے"، امی کمروں اور کوٹھڑیوں کا جائزہ لیتے لیتے باہر آئیں، بال اور چہرہ اور لباس گرد سب پر اٹی تھی اور پسینے سے بھیگ چلی تھیں۔ بڑی آپا کو فراغت سے بیٹھا دیکھ کے چونکیں "اے بڑی آپا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایسے بیٹھی ہو جیسے کوئی کام ہی نہیں ہے۔ اپنے سامان کی خبر لو نا، کب نکلے گا کب جائے گا۔"

"بی بی میرا کیا ہے، تم اپنا سامان نکالو"، بڑی آپا خفگی سے لہجے میں بولیں۔

"اے ہے یہ کیا بات ہوئی؟" امی تنکیں۔

"بات کیا ہوئی بڑی آپا نے اپنی دانست میں لہجے میں بڑی معروضیت پیدا کی تھی مگر اس سے مایوسانہ احتجاج کا رنگ صاف عیاں تھا، "تم اپنا سامان نکالو، بھجواؤ۔"

"اور تمہارا سامان؟" امی نے تنک کر پوچھا۔

"میرا سامان نہ جائے گا۔"

"کیوں؟" امی کے جیسے تتے لگ گئے ہوں۔

باوا سامان کے انبار کے پاس کھڑے چیزیں درست کر رہے تھے۔ انہوں نے مڑ کے دیکھا پھر سامان کو چھوڑ آہستہ سے قریب آئے۔ امی فوراً ان کی طرف مخاطب ہوئیں "سن رہے ہو جی، بڑی آپا کہتی ہیں میرا سامان نہیں جائے گا۔"

"کیوں؟... کیا بات ہے بڑی آپا؟"

"میں نہ جاؤں گی" بڑی آپا نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

امی چپ، باوا چپ رہے، پھر بولے "آخر کیوں؟"

"کوئی زبردستی ہے تم جاؤ، اللہ تمہیں نیا گھر مبارک کرے۔ میں تو نہ جاؤں گی۔"

"تائی اماں دیکھ رہی ہو۔" امی نے اب تائی اماں سے انصاف چاہا۔

تائی اماں جھڑکی کے انداز میں بولیں "اے چھموں، تجھے کیا ہو گیا ہے! یہ بھی خوب رہی کہ کہ نہیں جاؤں گی۔ تو بی بی نہیں جاؤں گی تو یہاں اکیلی دیواروں سے سر پھوڑو گی؟"

امی نے فوراً ٹکڑا لگایا "اور تائی اماں اکیلا بھی یہاں کون رہنے دے گا؟"

"اجی میرا رہنا نہ رہنا کا ہے کا ہے رحیمنہ پرائے گھر کی ہے۔ دنوں کی بات ہے، بھائی بنیاد علی آجاویں تو جار بول پڑھواؤں اور گھر سے دھکا دوں۔ بنی ہے سو تائی اماں سے ملی ہوئی ہے ساتھ چلی جاوے گی۔ رہ گئی میں، سو آنے والوں سے کہوں گی کہ بھیا ایک کوٹھڑی دے دو۔"

"بڑی آپا کیسی باولین کی باتیں کر رہی ہو۔" امی غصہ کرتے کرتے سمجھانے پہ آگئیں "ایسی بات کرو کہ سمجھ میں آوے۔ اپنا گھر ہوتے ساتے بھلا دوسروں کے سر پڑنا۔ یہ تو بھیے کو کوسنا ہوا۔"

بڑی آپا ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ امی، تائی اماں، باوا سب چپ۔ امی نے پہلو بدلا اور اس سے مخاطب ہوئیں "ضمیر بڑی آپا کا سامان نکال۔"

"وہ نا میرا سامان نہ نکلے گا۔" بڑی آپا نے قطعی انداز میں کہا۔

"مگر کیوں ؟" باوا نے اسے قطعی انداز میں سوال کیا۔

"بس میں یہاں سے نہ جاؤں گی" بڑی آپا بھی آج باوا کے مقابلے میں جم گئی تھیں۔

"آخر کیوں نہیں جاؤ گی ؟ وجہ ؟" باوا کا لہجہ درشت ہو گیا۔

"نہیں جاؤں گی۔" بڑی آپا نے تڑخ کر کہا، مگر فوراً ہی آواز میں دکھ پیدا ہو گیا "اب تو میرا جنازہ ہی یہاں سے جائے گا . . . . ابا میاں کی آنکھ یہیں بند ہوئی تھی، میری بھی . . . . ." بڑی آپا رو پڑیں، پھر ہچکیاں لینے لگیں۔

باوا آہستہ سے سرکے اور پھر سامان کے انبار پہ آ کے چیزیں درست کرنے میں مشغول ہو گئے۔

"ضمیر۔"

"جی۔"

"ایک ٹھیلا تو لد گیا ہے، اسے لے کر جاؤ۔"

وہ باہر نکلا تو سچ مچ دروازے پہ ٹھیلا لدا کھڑا تھا اور بنی اور اچھے بے صبری ٹھیلے والے کے پاس آتے، تڑ تڑ باتیں لگاتے کہ چلو، پھر پیچھے جاتے اور اپنی پوری طاقت سے ٹھیلے کو دھکیلنے کی کوشش کرتے۔ منہ ان کے سرخ ہوتے جا رہے تھے، مگر ٹھیلا ٹس سے مس نہیں ہوتا تھا۔ اس کے کہنے پہ ٹھیلے والے نے پھر یہ ری لی اور ٹانڈے ٹانڈے بانڈے سے لدا پھندا حویلی سے کوٹھی کو روانہ ہوا۔

ٹانڈے بانڈے سے لدے ٹھیلوں کا دن بھر تانتا بندھا رہا۔ بھر بھر سامان حویلی سے لاتا اور کوٹھی کے برآمدوں اور کورے کمروں میں کہ کیٹوں کی دیواروں کا سیمنٹ بھی نہیں سوکھا تھا۔ انڈیلتا۔ ہر ٹھیلے کے آگے آگے ننھے نقیب بنی اور اچھے کہ کوٹھی قریب آتی تو آگے جا کر ٹھیلے کی آمد کا پورے جوش سے اعلان کرتے اور ضمیر بیزاری سے پیشوائی کو باہر نکلتا اور سامان اترواتا۔ بنی اور اچھے ٹھیلوں کے آگے آگے نقیب بن کر چلتے،

کبھی ان کا ساتھ چھوڑتے اور کبھی کوٹھی کے زینے پہ ہوا اونچی چھت پہ کھڑے ہو کر منادی بلتے اور کھیتوں سے پرے سڑک پہ رینگتے ہوئے ٹھیلے کو دیکھ کے غل مچانے لگتے "ٹھیلا آرا ہے۔ ضمیر بھائی ٹھیلا آرا ہے" اور جب ٹھیلا کوٹھی کی حدوں میں آجاتا تو چھت سے اتر کر باہر نکل اس کی پیشوائی کرتے، کبھی نقیب، کبھی منادی، کبھی پیشوا، پھر اس پورے دھندے سے جی اچٹا اور ایک بڑیا کے پیچھے کہ بلندی پہ بہتی چلی جاتی تھی ہو لیے اور دور نکل گئے۔

میزیں، کرسیاں، پلنگ، چھپر کھٹ بڑے بڑے ٹرنک، مقفل صندوق، کوئی ادھ بنی پینیٹری، کوئی ٹوٹا پھوٹا گڑولنا، دیگ دیگچے، کوئی لمبا بانس انمل بے جوڑ پائے پٹیاں اور نواڑ کی جکیئی، بانوں کی بچاندی، ساتھ میں ایک جھلنگا، ٹین کے خالی کنستر، چھوٹے بڑے پرانے پچکے ہوئے اور نئے چمکتے ہوئے ڈبے، طوطے کی تصویر والی پالش کی خالی ڈبیاں بظاہر بے فائدہ پر سامان کا باقاعدہ حصہ، ایک اڑنگم تھا کہ برآمدے کی چھت سے جا لگا تھا۔ اسے خفقان ہونے لگا۔ سامان اس کے سر پر چڑھا آرہا تھا۔ برآمدے سے باہر آیا، پھر کنوئیں کی طرف نکل آیا۔ کنواں رکا ہوا تھا، من خشک، بیل ایک طرف کھڑے اونگھتے تھے اور گندل برڑ کے پیڑ کے نیچے اکیلا حقہ پیتا تھا۔

"گندل آج کنواں نہیں چلا؟"

"نئیں میاں" گندل بولا "چرس کو کتو کتر گئی۔ چوہو سے متی ماہیر اگھٹائی کرلنے گیو ہے" گندل نے اٹھ کر چارپائی ڈالی "چھوٹے میاں، بیٹھ جادو۔"

ضمیر بیٹھ گیا۔ گندل نے راکھ سے اپلا کریدا، چمٹے سے توڑ کے چلم میں بھرا، واں سے اٹھا تو ضمیر کے قدموں میں آبیٹھا۔

"ضمیر میاں کب جادوگے؟"

"کل"

گندل سوچ میں پڑ گیا، پھر اس نے چلم کا گھونٹ لیا پھر بولا "ضمیر میاں۔۔۔۔

داں کے بعد جدوں ڈپٹی بن جادو تو گندل کو اپنے دھورے بلا لئیجو"

ضمیر چپ بیٹھا رہا۔ گندل بھی جواب کا منتظر نہیں تھا۔ آنکھیں نبد نہیں ہوئی تھیں ہاں ایک خواب کی کیفیت ان میں پیدا تھی۔ اس کا لہجہ اداس ہو گیا "چھوٹے میاں، اپنی ڈبیٹی میں سکت نا ہے رئی، ہڈی نے ماس چھوڑ دیو۔ ابا میاں کی آنکھ بند ہو گئی، نئیں تو ہیں ابوپلشن بے لیتا.... یو شریر کام جو گا نئیں ریو، کچی مٹی کا ڈربا ہے، ادیک بوجھ پڑ و تو ڈھے جاوے گا" وہ چپ ہو گیا اس کی نظر میں آس پاس کی چیزوں سے ہٹ کر سامنے کے کھیتوں میں پہنچ گئی تھیں، جہاں پڑ ترم وہ ہریالی پہ دھوپ چھاؤں کا کھیل ہوتا تھا۔ جلدی جلدی چلتی ہوئی دھوپ، اس کے پیچھے دوڑتا ہوا سایہ، ابر کی ایک ہلکی چادر کھیتوں میں پھیلتی چلی گئی اور دھوپ کھیتوں سے پرے سڑک پہ ننگ دھڑنگ لونڈوں کی ایک ٹولی کہ منہ پہ کالونس مل رکھی تھی اور ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے ڈنڈے بجاتے ہو۔ تمہ زور زور سے گاتے ہوئے۔

کالے ڈنڈے پیلے ڈنڈے

برسائے گا بہ جائے گا   کوڑی کھیت لگائے گا

کوڑی گئی ریت میں   پانی گیا کھیت میں

"بادل آرہے ہیں لگتے تو ہیں برسنے والے سے" اس کے لہجے میں آس اور شک کی ملی جلی کیفیت تھی۔

گندل دیر تک آسمان کو تکتا رہا، پھر شک بھرے لہجے میں بولا "پورب سے اٹھے ہیں کیا خبر ہے برس ہی پڑیں۔" پھر فوراً ہی اس کی نظریں بادلوں سے ہٹیں اور کوٹھی کی سب سے اوپر کی اس منڈیر پہ جا ٹکیں جہاں بنی اور اچھے کھڑے تھے۔ بنی نے چٹکی فضا میں بلند کی "بڑیا بڑیا اللہ میاں سے میرا سلام کہیو" "اور میرا بھی" اچھے نے ٹکڑا لگایا۔ "بڑیا بڑیا دونوں کا سلام اللہ میاں سے کہیو۔" اور بنی کی چٹکی کھلی، گالا بڑیا چٹکی سے

نکل فضا میں بہنے لگی، اونچی اُٹھنے لگی۔

گندل بڑبڑانے لگا"یو پالک نے گھنی راڑھ مچایو ہے،" پھر چلایا"اللہ جی منڈیر سے پرے کو ہو جاؤ۔"

بنی اور اپچھے منڈیر سے چھت پر کود لئے۔ اوجھل ہوئے، پر فوراً ہی پھر اُچکے، ننھے دو سر کہ منڈیر کے پیچھے سے دم کے دم میں اُبھرے اور پھر اوجھل ہو گئے۔

گندل نے پھر چلم منہ سے لگالی۔ پرے کھیتوں میں وہ تکتا رہا، پھر گڑ گڑ گڑ کی نیند بھری آواز اس کی آنکھوں پر اس کے پورے جسم پر عمل کرنے لگی۔ آنکھیں مندنے لگیں اور سوز اور نیند میں ڈوبی وہ آواز ہولے ہولے پھر ابھرنے لگی۔

رات گنوائی سوئے کے دوس گنوایو کھائے

ہیرا جنم امول تھو کوڑی بدلو جائے

بڑی آپا جنہیں روتے ہچکیاں لیتے چھوڑ آیا تھا، تحسینہ کہ کمروں سے سامان نکلتے وقت دور سے نظر آئی تھی۔ چپ چپ کھوئی کھوئی سی، وہ خیالات میں گم دیر تک بیٹھا رہا، پھر ہڑبڑا کر اُٹھا، امڈ کے کوٹھے کی طرف ہو لیا، جہاں سامان کے آنے کا سلسلہ قائم تھا دن جا رہا تھا اور سامان ابھی بہت آنا باقی تھا۔ ٹھیلوں کا ایک تار بندھا ہوا تھا کہ لدے پھندے سسکتے رینگتے آتے اور خالی ہو جلدی جلدی شور کرتے واپس ہو جاتے۔ حویلی خالی ہو رہی تھی کہ شہر خالی ہو رہا تھا وہ فکر میں پڑ گیا کہ شام تک سارا سامان نہ آیا تو کیا ہو گا، کل تو اسے ہر حال میں چلے جانا ہے اسے اپنے چلنے کا خیال آنے لگا۔ حویلی کہ اس کے تئیں ماضی کی اڑتی خوشبو تھی مانند ایک خواب کے ذہن سے بسرنے لگی۔

اب سفر اس پر سوار تھا۔